سمیرا ملک
ریسرچ سکالر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
ڈاکٹر ظفر احمد
استاد، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ہسپانوی ناول "چلتا پرزہ" کا تجزیاتی مطالعہ

Sumera Malik
Research Scholar, Urdu Department, NUML, Islamabad
Dr. Zafar Ahmed
Assistant Professor, Urdu Department, NUML, Islamabad

An Anylatical Study of Spanish Novel 'The Life of Lazarillo de Tormes and of His Fortunes and Adversities'

Just as a great subject can beautifully be presented as great subject, so a great subject is born only in the of a literary is born only in the mind of the liertary person who is the master of the same vast personality .The creations that emerge from the unity of great themes, personalities and charming styles will be nationl and internation at the same time, and will meet all reciprocal needs by contributing to thr fulfillment of nature. It is thr classic features that distinguish a particular artist from the ordinary. Originally from the classical origins of ancient life, Rome and grreece.These two regions as a whole are the constituents of a totalitarian unity that has been dubbed the "Classical World" in every sense, socially, politically and artistically. But even so ,the classic is not specific to any one pledge or civilization,but rathr thr ed of a long civilization sequence in which no contrast is found .the possible fulfillment of ideal and great ideas creates classical standards.emphasizes the stability,the feel, the majesty, the ideal proportional elements and the cohesive thinking of the classic art. In this articale the Spanish novel Lazarillo di tormes called the first "realistic novel of Spanish literature. The first three editions of this novel are available in the year 1554. It is the generally believed that an edition will b printed before this ,but no

prescription not available .it was only in the 16th century that this novel was discussed throughout Europe . And its popularity can be gaguged from the fact that this novel “lazarrillo di tormes” was translated in to French, English, german, Italian, Dutch, and latn only after its first publication.

Kye words: *Spanish, Slaeem Ur Rehman, Religiouse, Satiricl, Church, Sixteenth Century.*

جس طرح ایک عظیم موضوع کو پُر عظمت اسلوب ہی حسن و تدبیر سے پیش کر سکتا ہے اسی طرح عظیم موضوع بھی صرف اسی ادیب کے ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے جو ہمہ گیر شخصیت کا مالک ہو۔ عظیم الشان موضوع ایسی شخصیت اور دلکش اسلوب کے اتحادِ ثلاثہ سے جو تخلیق وجود میں آئے وہ بیک وقت قومی اور بین الاقوامی ہو گی اور فطرت کی تکمیل میں حصہ لے کر تمام ترکیبی تقاضوں کو پورا کرے گی۔ کلاسیکی اور اس جیسی بے شمار خصوصیات ہیں جو ایک فن پارے کو عام فن پارے سے ممتاز کرتی ہے۔ بنیادی طور پر کلاسیک کا تعلق یا شروعات قدیم زندگی کے خطوں سے ہوتی ہے جن میں سرِ فہرست روم اور یونان ہیں۔ یہ دونوں عنصر بحیثیت کل ایسی ترکیبی وحدت کے آئینہ دار ہیں جسے معاشرتی، سیاسی اور فنی ہر اعتبار سے "کلاسیکی دنیا" کا عنوان دیا گیا ہے۔ مگر اس کے باوجود کلاسیک کسی ایک عہد یا تہذیب سے مخصوص نہیں بلکہ ایک طویل تہذیبی تسلسل کی انتہا ہے جس میں کوئی ابتری نہ پائی جاتی ہو۔ اس کے مثالی اور عظیم تصورات کی ممکن تکمیل کلاسیکی معیاروں کو تخلیق کرتی ہے۔ کلاسیکی فن ہیئت کے استحکام، احساس، عظمت، مثالی متناسب اجزاء اور مربوط تفکر پر زور دیتا ہے۔ پروفیسر انور جمال کلاسیک کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اعلیٰ ادبی معیارات رکھنے والا ادب کلاسیک کہلاتا ہے۔ ناقدین نے موضوع، اسلوب اور فنکار کی شخصیت کو کلاسیک کی خصوصیات ٹھہرایا ہے۔" (۱)

ادب کے تناظر میں اگر کلاسیک پر بات کی جائے تو اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر دور میں بے شمار لکھنے والوں نے بہت سی نگارشات چھوڑی ہیں اور ان نگارشات کا تعلق ان کے اپنے دور سے ہوتا ہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے لیکن ان بے شمار لکھنے والوں کی بے شمار نگارشات میں سے چند ایک ہیں جو اگلے ادوار کے سفر پر نکلتی ہیں۔ حقیقت میں یہ بھی وہ فن پارے ہیں جن میں آفاقیت کا دم ہوتا ہے اور پھر ایک اندازے کے مطابق کم سے کم اپنے دور سے ۵۰ سے ۸۰ برس کے عرصہ کے بعد گزر جانے کے بعد ایک تحریر کلاسیک میں شمار ہونے لگتی ہے۔ "کلاسیک

ادب، روم، یونان، مصر، سپین جیسے قدیم علاقوں سے پروان چڑھا اور ان کی اولین مثال ہومر کی داستان "اوڈیسی" ہے جو تقریباً ایک ہزار قبل مسیح ہے۔" (۲)

ہر دور میں داستان، ناول، شاعری، مصوری اور افسانوں جیسی اصناف میں کلاسیک کے درجے پر پہنچنے والے فن پارے موجود ہیں۔ داستان، مصوری کلاسیک کی بہت قدیم مثالیں موجود ہیں لیکن ناول جیسی جدید صنف میں بھی کلاسیک کا درجہ حاصل کرنے والی بہت سی تصنیفات شامل ہیں جن کا تعلق اپنا کے تقریباً ہر خطے سے ہے۔ مذکورہ تحقیق میں سپین کے ایک ناول کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس تجزیہ کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ سپین کے حوالے سے چند سطور تعارفی پیرائے میں درج کی جایں، سپین جیسے ہسپانیہ یا اندلس کے ناموں سے بھی جانا جاتا ہے۔ روایات میں ہسپانوی ادب کی تاریخ کا آغاز "ریل کنٹیر ڈیل موسیِڈ" بارہویں صدی سے کیا ہے۔ اس کے برعکس دوسری روایات میں ہسپانوی ادب کی پہلی تحریریں شہادتی ۱۳ویں صدی میں قرون وسطی کے ادب سے شروع ہوتی ہیں جن میں شاعری، نثر اور تھیٹر شامل ہیں۔ ہسپانوی ادب میں روایتی رومانوی ادب بھی پایا جاتا ہے۔ قدیم تحریروں نے یہودی اور عیسائی ثقافت کو ملایا تھا۔ جیسا کہ تین سطور میں درج کیا جاسکتا ہے کہ ہسپانوی نثر نے ۱۳ویں صدی کے وسط میں مقبولیت حاصل کی۔ ۱۵ ویں صدی تک شاعری اور نثر میں مذہبی ادب کے اعتبار سے بھی کافی ترقی ہوئی۔ ہسپانوی خانہ جنگی کا بھی اس کے ادب پر گہرا اثر پڑا۔ (۳)

ادب اور کلاسیک

ادب کے اعتبار سے سپین کی تاریخ بہت وسیع ہے۔ علمی اور فنی اعتبار سے ریاضی، طب، فلسفہ، طبعیات، کیمیا، نجوم، تاریخ اور جغرافیہ، قرآن اور احادیث اور ادب جیسے علوم موجود تھے۔ سپین کے ادب کی تعریف، تعارف اور تاریخ خاصی وسیع ہے جس کے لیے باقاعدہ ایک مقالہ درکار ہے۔ موجودہ تحقیق میں سپین کے ادب سے متعلق بحث اضافی ہوگی۔ لہذا بنیادی نقطہ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے ناول کے ضمنی تصانیف کے بعد منتخب ناول کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ناول ایک مغربی صنف ہے اور دنیا کے ہر ادب میں ناول کی اہمیت سب سے زیادہ ہے کیوں کہ ناول واحد ایسی صنف ہے جس سے ہر فرد لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ عام ناظر زیادہ تر مطالبہ کے لیے "ناول" کی سی صنف کو منتخب کرتا ہے۔ ناول کی تاریخ آغاز سے تاحال بے شمار یادوں سے مالامال ہے۔ موضوعات اور تکنیک دونوں حوالوں سے اہم ناول منظر عام پر آآج تعارفی اعتبار سے مختصر طور پر ناول کی تعریف کی جائے تو ناول "اطالوی زبان کے لفظ Novela (کہانی، خبر) سے حاصل ہوا ہے۔ یعنی انوکھی چیز، بات، واقعہ وغیرہ کے لیے بھی ناول کا لفظ استعمال

ہوتا ہے۔"(۴) آل احمد سرور "مسلسل قصے کو ناول کہتے ہیں"۔(۵) بنیادی طور پر زندگی کے چند منتخب واقعات ناول کی بنیادی بنتے ہیں۔ جو ناول نگار کے خیال کو ایک نیا رخ دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان کے نزدیک "ناول کے عناصر ترکیبی میں پلاٹ قصہ، کردار، ماحول، مکالمہ، Fantessy اسلوب بیان، نقطہ نظر یا نظریہ حیات، جذبات نگاری، زبان اور کہانی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔"(۶)

ناول میں راوی حال سے ماضی اور ماضی سے حال اور مستقبل میں سفر کرنے کے لیے باقی اصناف کی نسبت زیادہ آزاد ہوتا ہے۔ ناول ایک مغربی صنف ہے اور اُردو ادب میں اس کا رواج داستان کے بعد ہوا۔ لیکن موجودہ دور میں ناول اردو ادب کا سب سے بڑا سرمایہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ علی عباس ناول کی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ناول کے وجود میں آنے کا باعث اور اس کی سب سے بڑی خوبی محض یہ ہے کہ وہ (ناول) کسی بندھے ٹکے اصول کا پابند نہیں، ڈراما، رزمیہ اور عشقیہ شاعری پر صدیوں ارسطور اور کلاسیکی اصول دونوں کو شکست دی۔"(۷)

دنیا کی تمام زبانوں کے "ادب میں ناول کا ایک الگ اور اہم مقام ہے اور اس اعتبار سے ہر دور میں ناول کی صنف ادبی اصناف میں سب میں بہت اہم رہی ہے۔ چاہے اس ناول کا تعلق اس علاقے کی زبان سے ہو یا پھر کسی دوسری زبان سے ہو یا کسی دوسری زبان س کلاسیک کی حقیقت کے تحت ایک کلاسیک فن پارہ اپنے علاقے اور اپنی زبان سے باہر نکلتا ہے اور صدیوں سفر کرتا ہے۔ مذکورہ تحقیقی مقالے میں جس ناول کو "موضوع" بنایا گیا ہے اس کا تعلق ہسپانیہ کے کلاسیک ناول سے ہے۔

Lazarillo di Tormes ہسپانوی ادب کا پہلا "حقیقت پسند" ناول کہا جاتا ہے۔ اس ناول کے جو تین اولین ایڈیشن دستیاب ہیں ان سب کا سال اشاعت ۱۵۵۴ ہے۔ عام خیال یہ کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے بھی کوئی ایڈیشن چھپا ہو گا لیکن اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں۔ ۱۶ ویں صدی میں ہی اس ناول کا یورپ بھر میں چرچا ہو گیا تھا۔ اور اس کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ناول Lazarillo di Tormes، فرانسیسی، انگریزی، جرمنی، اطالوی، ولندیزی اور لاطینی میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔

اس ناول کے تعارف اور اس کے شہرت کے لیے چند باتیں مشہور ہیں۔

اس ناول کی پہلی وجہ شہرت یہ ہے کہ اس کے مصنف سے یا اس کے نام سے کوئی بھی واقف نہیں۔ یہ ایک معمہ ہے کہ س ناول کا مصنف کون ہے؟ اس ضمن میں جو کچھ بھی کیا گیا ہے اس کی حیثیت قیاس آرائی سے زیادہ کچھ نہیں۔ ہر دعویٰ دلیلِ محکم کا محتاج ہے۔ دوسری وجہ شہرت یہ ہے کہ یہ ناول ہسپانوی ادب کا پہلا "حقیقت پسند"

ناول ہے۔ اسے پہلے رومان کا رواج عام تھا۔ یہ پہلا ناول ہے جس میں اس دور کے معاشرتی حالات کو بنیاد بنا کر لکھا گیا ۔یہی وجہ ہے کہ اس پر پابندی بھی لگا دی گئی۔ یعنی ایسا ناول جس کے مصنف کے بارے میں کوئی نہیں جانتا لیکن اس کے متن میں کتنی طاقت اور اثر ہے کہ ۱۵۵۹ میں ہسپانوی کلیسا کی احتسابی عدالت نے ناول پر پابندی عائد کر دی اور اس قدغن کی وجہ یہ تھی کہ اس میں کلیسا کے عہدے داروں کو طنز کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ مگر اس ناول نے تمام حدود پھلانگ کر یورپ کی سرحدیں عبور کیں اور "کلاسیک کا درجہ حاصل کر لیا۔(۸) "ناول کے مصنف کے بارے میں کوئی معلومات موجود نہیں لیکن یہاں تعارف کی وضاحت کے لیے اس ناول کے مترجم محمد سلیم الرحمٰن کا تعارف درج کیا گیا ہے۔

محمد سلیم الرحمٰن کا شمار اردو کے ان معدودے چند مترجمین میں ہوتا ہے جن کے کیے ہوئے تراجم عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ فوٹ ولیم کالج، دہلی کالج، انجمن ترقی اردو سے لے کر آج تک ان صاحبان فن کی فہرست مختصر ہی رہی ہے۔ جنھوں نے تراجم لکھے ہوں۔ اس فہرست میں نمایاں نام ابنِ انشاء، محمد حسن عسکری، شاہد حمید، مسلم الرحمٰن اور محمد عمر سرِ فہرست ہیں۔ یہ نام موجودہ دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ترجمہ نگار ایسے میں جن کے تراجم پر مکمل طور پر پڑھا کیا سکتا ہے۔ بلکہ یہ تمام اساتذہ جن کے ترجمہ شدہ متنوں ان کے تراجم کی وجہ سے مشہور ہوتے ہیں جیسے مذکورہ ناول سے وابستگی اوت تحقیقی وجہ ہے۔ اس کے کلاسیک ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ بھی ہے۔ سلیم الرحمٰن کی وجہ شہرت روم کی رزمیہ داستانوں "الیڈ" اور "اوڈیسی" کے تراجم ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا شمار اردو ادب کے ممتاز شاعر، افسانہ نگار، نقاد، مترجم اور نعت نویس کی حیثیت سے بھی سرِ فہرست ہے۔

سلیم الرحمٰن نے ایک شعری مجموعہ کا ترجمہ کیا جس کا نام "کارل اور ایشیا" ہے۔ جرمن نویسوں کی نگارشات کو "امن" میں پیش کیا اور باقی ترجمہ میں "اسیر ذہن"، ہوائی توانائی" خلانوردوں کے افسانے۔ "رباعیات، کے علاوہ ڈرامہ "تین بہنیں" چیری کا باغ اور سمندری بگلا" (از چیخوف) "طلسم گوہر دار" اور "ریاض دلربا" کی تدوین کے فرائض بھی سرانجام دیے۔(۹)

مذکورہ ناول جس کا نام (La Vida de Lazanillo de Tormes) ہے اور جس کا مطلب "اصطلاحی معنوں میں اس کو پہلا پکاریسک ناول بھی کیا گیا ہے۔ یہ اسم صفت ہسپانوی لفظ "پکارو"(Picaro) سے مشتق ہے جس کے معنی لچا لفنگا ہے۔ سلیم الرحمٰن ناول کے نام کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس اعتبار سے اس ناول کے نام کا ترجمہ "الفتانہ" ناول یا لفنگانہ ہونا چاہیے۔ لیکن اس ناول میں اس کے بنیادی کردار کو جس طرح

سے استعمال کیا گیا ہے اس اعتبار سے سلیم الرحمٰن نے اسے "چلتا پرزہ" کے نام سے ترجمہ کیا" جو ایک مشینی پرزے کی طرح چلتا رہتا ہے۔ کیوں کہ ناول کا کردار کسی جگہ بھی ٹھہرا نہیں۔ (۱۰)

پروفیسر پیکر نے ناول کے لیے چار شرطیں لازم کی ہیں۔ "قصہ ہو، نثر میں ہو، زندگی کی تصویر ہو۔ اس میں اور یک رنگی ہو۔ یعنی یہ قصہ صرف نثر میں نہ لکھا ہو بلکہ حقیقت پر مبنی ہو اور کسی خاص مقصد یا نقطہ نظر کو بھی پیش کرتا ہو۔ (۱۱)" چلتا پرزہ" محقق کی اس رائے کی بھرپور عکاسی کرتا ہے: مذکورہ مقالے میں ناول کا تجزیہ ناول کے عناصر، حقیقت نگاری کے ساتھ مقصد اور ذاتی نقطہ نظر کے ساتھ معاشرتی نظریے کے پیرائے پر کیا گیا ہے۔

تجزیہ:

"چلتا پرزہ" ایک ایسے مصنف کی تحریر ہے جس کے نام تک سے کوئی واقف نہیں بلکہ جس کا تعارف اب تک ایک معمہ بنا ہوا ہے لیکن اس کی تحریر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس ناول کو یورپی ادب کا پہلا حقیقت پسندانہ ناول قرار دیا گیا جس کا سنِ اشاعت ۱۵۵۰ سے ۱۵۵۴ تک بتایا جاتا ہے۔ اشاعت کے فوراً بعد یہ ناول یورپ کی اہم زبانوں میں ترجمہ ہوا جن کا ذکر بین سطور درج ہے۔ بنیادی طور پر ناول ایک سماجی اور طبقاتی کشمکش کے ساتھ ایک غریب لڑکے کی فکرِ معاش اور مذہبی طبقے پر طنز کے پیرائے میں تحریر کیا گیا ہے۔ ناول کی کہانی ایک عیار لڑکے کی زندگی کے گرد سفر کرتی ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ اپنی بنیادی ضروریات کے حصول کے لیے بگڑتا چلا جاتا ہے۔ ناول کی بنت ایک انسانی سادہ پلاٹ پر رکھی گئی ہے۔ ہیرو کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں ہوتا بلکہ شہر شہر اور رنگ رنگ کے لوگ اس کی زندگی میں آتے ہیں۔ ناول میں معاشرے میں پائی جانے والی معاشرتی کمزوریوں یا قابل مذمت پہلوؤں پر چوٹ کرنی مصنف کا مقصود تھی۔ لیکن اس نے جو کردار چنے ان سے بنیادی طور پر کہانی میں لطف کے پہلو کو اجاگر کرنا بھی اہم مقصد معلوم ہوتا ہے۔ ناول کو ۷ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلے باب میں اس کی زندگی کی شروعات اور اندھے فقیر کے ہاتھوں سپرد ہونا تھا۔ اس کی ماں اس کے بوجھ سے آزاد ہونے کی خاطر اسے اندھے فقیر کے سپرد کر دیتی ہے جو سرائے میں چند دن کے لیے مقیم ہوتا ہے۔ زندگی میں عیاری کے اولین تربیت اس کی اس اندھے کے پاس سے ہی شروع ہوتی ہے۔ لیکن اس کی ماں نے یہ فیصلہ پادریوں کے ظلم سے تنگ آ کر مجبوری میں کیا۔

دوسرے باب میں اس کا واسطہ ایک تنگ دل اور کنجوس پادری سے پڑتا ہے جو اس اندھے فقیر سے بھی زیادہ کنجوس ہوتا ہے جو اسے کھانے کے لیے مکمل خوراک نہیں دیتا یہاں تک کہ اسے زندہ رہنے کے لیے اسی پادری

کے صندوق سے ڈبل روٹی چرا کر کھانا پڑتی ہے مگر آخر میں اس کی چوری پکڑے جانے پر وہ پادری اسے مار کر نکال دیتا ہے۔

تیسرے باب میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں ہجرت کے بعد اس کا واسطہ بظاہر ایک نیک دل اور مال دار شخص سے پڑتا ہے جو دیکھنے میں مال دار شخص لگتا ہے مگر حقیقت میں وہ اس سے بھی زیادہ کنگال نکلتا ہے۔ لیکن اس کردار میں اس کی مفلسی کا سبب اس کی اپنی خود ساختہ "انا" ہوتی ہے جو اسے کچھ بھی کرنے سے روک لیتی ہے۔
باب چار میں انتہائی مختصر بات ہے جس میں اس کا واسطہ حلقہ ارباب ترحم کے درویش سے پڑتا ہے جو اسے پہلی بار جوتے دیتا ہے لیکن اس کے پاس وہ زیادہ دن نہیں رہتا۔ باب پانچ میں ناول کا ہیرو بخشش نامہ فروش کے پاس جاتا ہے جو بظاہر پادریوں کے کہنے پر لوگوں سے جھوٹ بول کر بخشش نامے فروخت کرتا ہے۔ اور زبان بدل کر لوگوں کو دھوکا دیتا اور اس دھوکے کے اس لڑکے گُر آتے تھے۔ لیکن پانچویں آقا کے پاس اسے کھانے کے مواقع زیادہ مل جایا کرتے کیوں کہ وہ جہاں بھی جاتا اس علاقے کے پادری اور عملے کے لوگ اسے کھانے کے لیے دیا کرتے لیکن اس آقا کے پاس بھی اسے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور چار ماہ بعد اس نے اس آقا کو بھی چھوڑ دیا۔

چھٹے باب میں یہ ایک نقاش کے پاس ملازمت کرتا ہے جو ڈفلیوں پر رنگ کیا کرتا تھا۔ اس آقا کو رنگ مِکس کر دینا اس کے ذمے تھا۔ اسی دوران اسے ایک پادری ملتا ہے جو اسے ایک گدھا اور چار عدد جگ دیتا ہے اور شہر میں گھوم کر پانی پہنچانے اس کا کام اس کے سپرد کرتا ہے اور بدلے میں دن بھر کے ۳۰ مار اویدیوں سے اوپر جتنی کمائی ہوتی وہ اس کی تھی۔ اس عرصے میں اس نے اپنے لیے کمایا اور پھر جب کسی کابل ہوا تو اسے پادری کو اس کا گدھا لوٹا کر واپس چلا گیا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا شرافت کا کام تھا مگر اس کا دل جلدی بھر گیا۔
باب نمبر ۷

ساتویں باب میں اس کا واسطہ ایک فوجی سپاہی سے ہوتا ہے۔ اور اسی دوران یہ شادی بھی کر لیتا ہے اس کی بیوی پادریوں کی خدمت کے لیے روزانہ شام کو جاتی اور صبح واپس آتی۔ لوگ اس کا مذاق اور اس مذاق کی خبر جب بڑے پادری تک پہنچی تو اس نے لاثاریو کو بلا کر کہا کہ لوگوں کے کہنے پر کان نہ دھرو۔ اس طرح تم دینی اور دنیاوی دونوں طرح سے ناکام ہو جاؤ گے۔ تمھاری بیوی اگر رات یہاں آتی اور صبح یہاں سے جاتی ہے تو اس پر تمھیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی بیوی شادی سے پہلے تین بچے جن چکی تھی۔ مگر اس کے باوجود اس کی بیوی چیخ چیخ کر اپنی پاک دامنی کا یقین دلاتی ہے اور یہ مان جاتا ہے بلکہ اس سے معذرت کرتا ہے اور دوبارہ اس

موضوع پر بات نہ کرنے کی قسم کھالیتا ہے یعنی اس کے لیے اس کی بیوی بھی اس کی نہیں ، دنیاداری کے لیے تھی۔ مگر پادریوں کے کہنے پر وہ اپنی بیوی کے ساتھ بہت خوش ہے اور ان کے کہنے پر چلنے کے لیے تیار ہے۔ کہانی کے ساتویں باب کے اختتام پر آنے والے واقعات میں جو اس کے ساتھ ہو گا ان کا ذکر کرنے یا ان کے بارے میں مطلع کرنے کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس اطلاع کے ساتھ ناول کا اختتام ہو تا ہے۔ محمد سلیم الرحمٰن کا نام ہی ایک سند ہے جنھوں نے "اوڈیسی" اور "الییڈ" جیسے کلاسیک شاہکار کو ترجمہ کیا "چلتا پرزہ" کی کہانی بھی شاہکار سے کم نہیں۔ ناول میں تمام واقعات کو ایک لڑی میں پرویا گیا ہے۔

اگرچہ ناول کے پلاٹ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی لیکن اس دور میں معاشرتی برائی کو جس طنزیہ انداز میں بیان کیا گیا ہے اس سے یہ واضح ہو تا ہے کہ مصنف کی کوشش یا مقصد ان پادریوں کی اصلاح تھا۔ اور ناول کا بنیادی کردار جو ایک پیروکار کا ہے جسے مصنف نے لاثاریو کا نام دیا ہے قاری کی ہمدردی لینے کے لیے فیصلہ قاری کے سپرد کرتا ہے کہ قاری خود انصاف کرے۔ ناول واحد متکلم کے صیغے میں تحریر کیا گیا ہے۔ اور کہانی پڑھنے کے بعد ایک قیاس یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ شاید مصنف نے اپنی زندگی کی ابتدائی مشکلات کو ہی ناول کی شکل میں تحریر کر دیا ہو۔ ناول کی تحریر شروع ہوتے ہی قاری کو اپنے گرفت میں لیتی ہے یعنی ناول کا یا پھر ترجمہ نگار کا اسلوب اس قدر پختہ ہے کہ ابتدائی سطور جنھیں "پیش لفظ" کہا جاتا ہے وہی سے قاری ناول کے حصار میں داخل ہو جاتا ہے۔ جہاں مصنف اپنے قاری کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

> "مصنف کے مطابق اگر کوئی تحریر جس سے پڑھنے والے کو گھِن نہ آئے تو کم سے کم اسے ایک موقع پڑھنے کا ضرور دے۔ بے ضرر تحریریں نقصان تو نہیں پہنچاتی مگر ایسی بھی نہیں ہوتیں کہ لکھنے والے نے انھیں بنا کسی مقصد یا رد کرنے کے لیے تو نہیں لکھا ہو گا لکھنے والا کبھی مال بٹورنے کے لیے نہیں بلکہ تعریف سننے اور معاشرتی سچائیوں سے پردہ اٹھانے کے لیے لکھتا ہے۔"(۱۲)

پیش لفظ میں قاری کو مخاطب کرنے کے اس فیصلے نے کہانی پڑھنے سے پہلے ہی قاری کو اپنی گرفت میں کر لیا ہے۔ چناں چہ ایسی تحریر ضرور کسی کلاسیک کے درجے پر پہنچنے کی اہل ہو سکتی ہے۔

اس ناول میں ابتدائی کہانی کے ہیرو کی پیدائش ہے جو ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔

ناول ایک آپ بیتی کے سے انداز میں لکھا گیا ہے جس میں ہونے والے تمام واقعات ناول کے بنیادی کردار یعنی اس کے ہیرو جو جس کا نام "لاثاریو دے تورمیس" ہے کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ چوں کہ اس کا والد فاریس نامی گاؤں جو دریائے "تورمیس" کے ساتھ آباد تھا میں کسی پن چکی کا نگران تھا اور اس کی پیدائش وہاں ہوئی اس لیے اپنی نسبت کو اس نے اس دریا سے جوڑا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ۱۶ صدی میں اپنے علاقے یا شہریت کو اپنے نام کے ساتھ منسوب کرنے کا رواج ہو۔ ناول کا بنیادی نقطہ فکرِ معاش کے ارد گرد گھومتا ہے کیوں کہ ناول کے شروع میں ہی اس کے باپ کو اناج چرانے کے جرم میں گرفتار کیا جاتا اور اعترافِ جرم میں سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ اس معصوم جرم اور اس کے اعتراف پر مذہبی حوالے سے خدا کی طرف سے آزمائش اور اس کی رحمت کا ذکر بھی ناول میں مذہبی بحث کا تعارف کراتے محسوس ہوتے ہیں۔ باپ کی موت کے بعد اس کی ماں کی زندگی کی کہانی ہے جو شروع میں خود کو عزت دار طبقے میں رہنے اور "لاثاریو" کی تربیت کرنے کے جتن کرتی ہے مگر دوسرے شہر ہجرت کے بعد جہاں وہ کھانا پکانے کی نوکری پر معمور تھی وہی کے ایک ملازم حبشی جو گھوڑوں کے اصطبل کی دیکھ بھال کے لیے معمور تھا اس کے عشق میں گرفتار ہوئی۔ "ذائیدے" جس سے اس کی ماں کو عشق ہوا وہ شکل وصورت سے خوفناک تھا۔ مگر ناول کے ہیرو کو اس عشق کا فائدہ یہ ہوا کہ جب بھی زائیدے اس کی ماں کو ملنے آتا تو جاڑے میں اسے آگ تاپنے کو ملتی اور بھوک میں کھانا۔ اس لیے اسے اب اس کی شکل سے خوف نہیں آتا تھا۔ پھر "زایئدے" سے "گونتالیس" (ہیرو کی ماں) کے ہاں ایک لڑکا ہوا اس کا بھائی لیکن کچھ عرصے بعد زائیدے بھی اپنے اصطبل سے بھوسا، ایندھن، کھرپرے، پیش بند اور گھوڑوں پر ڈالنے والے کمبل جانوروں کی چوری کے جرم میں گرفتار ہو گیا کیوں کہ وہ یہ سب سامان لاثاریو، اس کی ماں اور اپنے بیٹے کے لیے لایا کرتا تھا۔ یہاں کہانی کے دوسرے کردار کا اختتام ہوتا ہے جو زندگی کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے چوری کرتے پکڑا گیا۔ لیکن یہاں دلچسپ بات یہ تھی کہ زائیدے کو پکڑنے والے اس علاقے کے پادری تھے جو بظاہر نیکی خداترسی اور درگزر کرنے کا درس دیتے لیکن زائیدے کے خلاف گواہی کہانی کے ہیرو سے دلوائی گئی ۔ چوں کہ ہیرو اس وقت کم عمر اور ناتجربہ کار تھا اس لیے سب حقیقت کھول کر بیان کر دی کہ زائیدے کا لایا ہوا سامان جیسے بیچ کر ہیرو کی ماں، اس کے اور اس کے چھوٹے بھائی کے کھانے کا انتظام کرتی تاہم پکڑے جانے ک بعد سزا کے طور پر اس کی ماں کو زائیدے اور سپاہ سالار کے گھر سے دور رہنے کا حکم سنایا گیا اور اس ماں اُن دونوں بھائیوں کو لے کر "سالامانکا" نامی ایک علاقے کی طرف روزانہ ہو گی اور وہاں کی ایک سرایے کے لوگوں کی خدمت کرنے لگی۔ کہانی کے شروعات میں کہانی کے ہیرو کی

ابتدائی زندگی میں مشکل اور بہتری کا دور پادری کی دین ہے۔ اس کہانی میں جگہ جگہ بالواسطہ یا بلاواسطہ پادریوں کے ظلم و ستم کی داستان رقم ہے۔ شاید یہ ہی وجہ تھی کہ اس ناول پر ۱۵۵۹ میں ہسپانوی کلیسا کی احتسابی عدالت نے پابندی عاید دی تھی۔ اور اس پابندی کی وجہ یہ ہی تھی کہ اس میں جگہ جگہ کلیسا کے عہدے داروں کو طنز کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ تاہم یہ قدغن اس ناول کا کچھ بگاڑ نہ سکی۔ ناول میں جہاں سیاست، تاریخ اور معاشرتی طبقاتی کشمکش کا ذکر ہے وہاں جزوی طور پر ناول میں کسی مقام پر ایک گہرے فلسفے کی چھاپ تھی نظر آتی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف دنیا کی حقیقتوں کو فلسفیانہ رنگ دینے سے نہ صرف واقف تھا بلکہ اپنے فلسفے سے دوسروں کو متاثر کرنے کے ہنر سے بھی بہرہ مند تھا۔ اس کے فلسفے کا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔

> "کہنے کو میں ابھی لڑکا تھا لیکن میں نے اس بات پر جو میرے ننھے بھائی نے کہی تھی ،خاص غور کیا اور اپنے بھائی سے سوال کیا" دنیا میں ایسے لوگ آخر کتنے ہوں گے جو دوسروں سے محض اس لیے خوف زدہ ہو کر دور بھاگتے ہیں کہ اپنی شکل نہیں دیکھ سکتے؟"(۱۳)

مذکورہ اقتباس سے مصنف نے اس حقیقت کو بے نقاب کیا جس سے ہم سب واقف ہوتے ہوئے بھی انجان سے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مصنف نے یہاں انسان کی فطرت کے بارے میں لکھا ہے کہ جہاں جس وسئلے سے بھی انسان کی ضروریات پوری ہوں وہاں انسان کا رنگ روپ شکل صورت اہمیت نہیں رکھتے۔ جیسے ناول کے کردار زائیدے سے لاثار کو ڈر لگا کرتا تھا لیکن جیسے اسے اس بات کا احساس ہوا کہ اس شخص کے آنے سے اسے کھانا ملتا ہے تو اسے اس سے نہ صرف بے خوفی محسوس ہوتی بلکہ اس کا انتظار رہنے لگا تھا۔

کہانی کے پہلے باب میں اہم کردار اس اندھے فقیر کا تھا جس کے سپرد "لاثاریو" کی ماں اسے اپنی مفلسی کے باعث کرتی ہے۔ کہ وہ اندھا فقیر تھا جو اسے اپنا بیٹا بنا کر لے جاتا ہے لیکن ساتھ رکھتے ہوئے نہ تو اس کی ضرورت پوری کرتا اور نہ ہی اس پر شفقت برتتا بلکہ طرح طرح کے مکاری کے ہٹ کندے اس لڑکے نے اس فقیر سے ہی سیکھے تھے۔ کہانی کے اس حصے میں بھی اس معاشرتی بُرائی کو اجاگر کیا گیا تھا کہ جہاں کبھی ہیر و جھوٹ بولتا، مکاری کرتا تو بہت سی جگہوں پر بچ جاتا تھا لیکن جہاں وہ سچ کا ساتھ دیتا تو وہاں اسے دھر لیا جاتا۔ جیسے شروع میں اس نے زائیدے کے بارے میں سچ بولا تو اس کی ماں کو سزا دے دی گئی اور زائیدے سے ان سب کو الگ کر دیا گیا۔ اسی طرح اتنا عرصہ اندھے کی خدمت کرنے کے باوجود دِن رات اس سے مار کھانے پیٹنے کے باوجود بھی وہ کبھی اندھے کو چھوڑ

کر نہیں گیا تھا۔ مگر جب "الموروکس" کے مقام پر اندھے نے مل کر انگور کھانے کا وعدہ کرنے کے باوجود اس سے دھوکا کیا اور پھر اسی پر الزام لگا دیا اور اسے ذلیل کرتا رہا۔ اس کے ساتھ اسی تمام سفر میں وہ لوگوں کو بھی "لاثالیو" کی مکاریوں کے واقعات سناتا لیکن اس کی نیکی کا ذکر کبھی نہ کرتا یہاں تک کہ اسے زخمی کر دیا جس پر ایک موقع پاتے ہی لاثارلیو" نے اس کو ایک ستون نما چٹان سے نیچے گرا دیا اور اسے زخمی حالت میں لوگوں کے سپرد کر کے بھاگ گیا۔ لیکن کہانی کے دوران ہیرو اس کی اس نیکی کا برملا اظہار کرتا ہے کہ زندگی کے بہت سے راز اس اندھے بوڑھے نے اس پر عیاں کیے جیسے کہ اس اقتباس سے ظاہر ہے اور یہی سے اس کا نام "چلتا پرزہ" پڑ جاتا ہے۔ جس نام سے وہ خود اپنے آپ کو پکارتا رہتا ہے۔

> "یہ سچ تھا کیوں کہ مجھے زندگی دی یا تو خدا نے یا پھر اس اندھے نے، نابینا ہونے کے باوجود اس نے بہت کچھ مجھ پر عیاں کر دیا اور مجھے دکھلا دیا کہ زندگی آخر ہے کیا۔ چند دنوں میں اس نے مجھے چوروں کی خفیہ بولی چال سکھا دی اور جب اسے پتہ چلا کہ میں پورا چلتا پرزہ ہوں تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔"(۱۴)

اندھے کے بعد ناول میں تیسرا اہم کردار اس پادری کا ہے جس کے پاس جا کر یہ رہتا ہے۔ یہ پادری اسے "ماکیدا" کے علاقے میں ملا۔ بھیک مانگنے کی غرض سے ہیرو اس کے پاس جاتا ہے اور وہ گرجاگھر میں عبادت کے طریقے سے واقفیت کے باعث اسے اپنے ساتھ رکھ لیتا ہے کیوں کہ اندھے کے ظلم و ستم کے باوجود اس کے اسے گرجے میں عبادت اور گرجاگھر میں خدمت گزاری کا طریقہ بھی سکھا دیا تھا۔ بظاہر اسے لگا کہ اب اسے کھانے کے لے بہت کچھ ملے گا۔ لیکن وہ اندھے سے زیادہ لالچی تھا۔ گرجاگھر میں ترانے کے طور پر جو ڈبل روٹیاں آتی تھی وہ انھیں ایک صندوق میں مقفل رکھتا تھا اور چابی اپنی آستین سے باندھ لیتا۔ لڑکے نے چابی کی نقل بنوائی مگر ہر بار ڈبل روٹی کھانے کے بعد اسے شبہ ہو جاتا۔ گرجاگھر کا پادری اور گرجاگھر کے خدمت گار کو کھانے کے لیے ترسنا یہ دوسری چوٹ کلیسا کے پادریوں پر کی گئی۔ ناول کے اس حصے میں پرانی داستانوں کا ذکر بھی ملتا ہے جب وہ صندوق میں سے روٹی چوری کرتا اور نام چوہوں کا لگا دیتا اور پادری اس بات پر حیران تھا کہ اتنے عرصے سے اس کے گھر چوہا کبھی نہ آیا۔ یہ کھیل کتنی ہفتوں چلا یعنی صندوق میں "لاثارلیو" جہاں چھید کرتا پادری اسے دوسرے دن بند کر دیتا۔ اگلی رات پھر ایک نیا چھید ہوتا۔ لڑکا بڑی ہوشیاری سے یہ کارروائی چوہوں کے ذمے لگا دیا کرتا۔ چھیدوں کے اس سلسلے کو "اوڈیسی" کی "پنی لوپیا" سے تشبیہ دی گئی کہ جہاں وہ سارا دن چادر بنتی اور رات کو ادھیڑ دیتی۔

اقتباس میں کچھ اس طرح سے درج ہے۔

"آخر کار ایسا معلوم ہونے لگا کہ ہم پینے لوپیا اور اس کی بناوٹ والے منصوبے کی نقل اتار رہے ہیں کیوں کہ دن کے وقت جو کچھ بنتا اسے میں رات کو ادھیڑ ڈالتا"(۱۵)

اندھے کے پاس رہتے ہوئے اسے ایک زادی اپنے منہ میں رکھنے کی عادت تھی۔ سو یہاں بھی اس نے رات کو چابی اپنے منہ میں رکھنے کی عادت ڈال لی تھی۔

سو یہاں بھی اس نے رات کو چابی اپنے منہ میں رکھنے کی عادت ڈال لی تھی۔ لیکن جب انجانے میں ڈنڈا سانپ اور چوہوں کو مارتے ہوئے اس کی ٹانگوں پر پڑا تو چابی اس کے منہ سے باہر آگئی۔ چوٹ اتنی شدید تھی کہ اسے خود بھی احساس نہ ہوا کہ چابی اس کے منہ سے باہر لٹک رہی ہے۔ یہاں لڑکے کی چوری پادری کے سامنے آجاتی ہے۔ پادری نے اسے خوب سزا دی پھر اندھے کی طرح اس کی مرہم پٹی کرائی اور طبعیت بحال ہوتے ہی انگلیوں سے اشارے سے صلیب کا نشان بنا کر اسے رخصت کر دیا۔ کہ جیسے اس پر شیطان کا سایہ ہو۔ حالاں کہ یہ شیطان کا نہیں مفلسی کا مارا کردار تھا جو ایک بار پھر اپنے پیٹ دوزخ کو بھرنے کے لیے کسی آقا کا منتظر تھا۔

ناول کا چوتھا کردار جو ایک بظاہر ایک آقا اور خوش حال زندگی گزارنے والا کردار لگتا تھا مگر حقیقت میں مفلس تھا۔ جو نہ تو اپنی مفلسی کا ذکر کسی سے کرتا اور نہ ہی کسی سے مدد کے لیے کہتا بلکہ اپنے فاقوں کو وہ اپنے کم کھانے کی عادت ظاہر کر کے کئی کئی دن بھوکا سویا رہتا۔

"لاثارلیو" اس کے ساتھ رہنے لگا اور بھیک مانگ تانگ کر جو بھی لاتا دوسرے مالکوں کی طرح اس کے ساتھ بھی بانٹ لیتا لیکن اس میں اور دوسرے مالکوں میں اتنا فرق تھا کہ یہ "لاثارلیو" کو تنگ نہیں کرتا تھا۔ جسمانی اذیت نہیں پہنچاتا تھا مگر اس کردار کا اختتام بھی آخر دھوکے پر ہی ہوا۔ جب وہ بنا بتائے چلا جاتا ہے اور مالک مکان اس کے بدلے "لاثارلیو" کو پکڑ لیتے ہیں تو اس وقت وہ خود کو بچانے کے لیے ان لوگوں کو اس کی حقیقت بتاتا ہے۔ اس کی اس حقیقت سے مصنف نے انسان کی بے جا "انا" جو کہیں نہ کہیں اس کے نقصان اور ناکامی کا سبب بنتی ہے۔ کو بے نقاب کیا ہے۔ جیسا کہ اقتباس سے واضح ہوتا ہے۔

"اس نے کہا کہ وہ قدیم قسطیلیہ کا رہنے والا ہے۔ اور وطن صرف اس لیے چھوڑا کہ اپنے پڑوسی جو خاندانی شریف تھا اسے ٹوپی اتار کر سلام نہ کرنا پڑے۔ مگر تم ابھی لڑکے ہو۔ عزت و آبرو کی باریکیوں کو کیا جانو"(۱۶)

ناول کے اس حصے میں مصنف کے ایک شریف زادے کا خدا پر توکل کے نقطے پر بھی بحث کی ہے کہ جہاں وہ اس لڑکے کو بتاتا ہے کہ جو عزت دار شخص ہوتا ہے اسے اپنے خدا اور بادشاہ کے علاوہ کسی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک ایسا حساس شخص واقع ہوا جو اپنی عزت نفس کے لیے کبھی بھی کسی چیز پر بھی سمجھوتہ نہیں کرتا نہ خوب صورتی پر نہ رشتوں پر اور نہ ہی مرتبے پر لیکن اس کے ساتھ بھی بد قسمتی یہ کہ اس کی جیب خالی تھی اور اس سے پہلے کہ مالک مکان اس سے تقاضا کرتا وہ رسوائی کے عالم میں وہاں سے چلا جاتا ہے۔ اور محلے دار عورتوں کی گواہی پر اس لڑکے کی جان چھٹتی ہے۔ لیکن وہ ایک بار پھر بے سروسامانی کی حالت میں سڑک پر آجاتا ہے۔

ناول کا چوتھا بڑا کردار بخشش نامے فروخت کرنے والا ایک جعل ساز تھا جو مذہب کے نام پر لوگوں کو جھوٹے بخشش نامے فروخت کرتا اور جن لوگوں کو اس کی زبان نہ آتی ان لوگوں پر یہ تاثر چھوڑتا کہ وہ بہت بڑا اور برگزیدہ پادری ہے اور اس خدا کے حکم سے یہ بخشش نامے فروخت کر رہا ہے۔ جعل سازی کے اس کھیل میں ناول کا ہیرو بھی اس کا ساتھ دیتا ہے۔ ناول کے اس حصے کو اگر سولہویں صدی سے لے کر اب تک کے ادوار سے ملایا جائے تو مذہب کے نام پر تجارت پہلے بھی ہوتی تھی اور اب تک ہو رہی ہے۔۔ یہاں کلاسیک کی یہ خصوصیت سامنے آتی ہے کہ کلاسیک وہ فن پارہ ہے جو بدلتے دور کے حالات اور صورتِ حال کا ترجمان ہو۔ چناں چہ اس ناول میں بھی جزوی طور پر موجودہ دور کی معاشرتی برائیوں کی عکاسی نظر آتی ہے۔ اپنے پانچویں آقا کے پاس ہیرو تقریباً ۴ ماہ تک رہا لیکن اس کے باوجود کہ گرجا گھر والے اسے مہمان جان کر اس کی ضیافت کرتے مگر مذہب کے نام پر لوگوں سے تجارت اس کے ضمیر کو گوارہ نہ تھی۔ اس لیے اس نے اپنے آقا کو چھوڑ دیا۔

چھٹے باب میں ایک رنگ ساز اور پھر ایک پادری نے اسے شہر میں پانی وغیرہ لینے کی ذمہ داری دی لیکن اہم باب ساتواں باب ہے جس میں وہ ایک پادری سے الگ ہونے کے بعد ایک فوجی سپاہی کے لیے کام شروع کیا۔ مصنف نے یہاں پھر ایک شریف اور نیک کام کی مخالفت کی اور برے کام کی طرف رغبت زیادہ دکھائی ہے یعنی شہر میں شراب یا جو بھی چوری کا مال فروخت ہو یا اس کی نیلامی ہو تو اس کا اعلان کرتا پھرے۔

اسی دوران علاقے کے ایک پادری نے جس کے پاس شرابیں بکنے آتی تھی، اس اپنی ایک خادمہ سے لاثارلیو کی شادی کرادی۔ بظاہر اس کی شادی بڑی کامیاب تھی۔ پادری اس کے کھانے پینے کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ کرسمس۔ ایسٹر پر اس کے گھر گوشت اور اناج پہنچا دیا جاتا۔ مگر ہمیشہ اس کو رات کا کھانا تنہا کھانا پڑتا تھا کیوں کہ اس کی بیوی رات پادری کا بستر بچھاتی اور کھانا بناتی۔ یہ پھانس اس کے دل میں چبھتی مگر وہ خاموش تھا لیکن جب لوگوں نے

باتیں کیں تو ان باتوں کی بازگشت پادریوں تک پہنچی تو پادریوں نے خود اسے مخاطب کیا اور بڑے پیار سے سمجھایا کہ اپنی بیوی کے بارے میں کسی بھی غلط بات یا شک کو وہ اپنے دل میں جگہ نہ دے۔ جواب میں "لاثاریو" نے صرف اتنا کہا کہ میں جانتا ہوں کہ اس کی شادی سے پہلے بھی اس کی بیوی تین بچوں کی ماں ہے جس پر اس کی بیوی جھوٹی قسمیں اٹھاتی اور وہ سچ جانتے ہوئے بھی اس کی جھوٹی قسموں سے بہل گیا۔ سچ کو در گزر کر کے جھوٹ کے ساتھ رہنے لگا اور اپنے دوستوں اور پڑوسیوں کو بھی سمجھا دیا کہ اس کی بیوی کے بارے میں کوئی بات نہ کرے۔ اس کی بیوی اس دنیا کی سب سے نیک عورت ہے۔

جیسا کہ اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے۔

> "دیکھو بھئی! اگر تم میرے دوست ہو تو ایسی بات نہ کرو جسے سن کر میں پریشان ہو جاؤں کیوں کہ جو آدمی مجھے تنگ کرتا ہے وہ میرا دوست نہیں۔ خصوصاً اگر وہ ہم میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنا چاہتا ہے جتنا پیار مجھے اپنی بیوی سے ہے اتنا کسی سے نہیں۔ خود اپنی ذات سے بھی نہیں۔ اس کے ساتھ میں بڑے لطف سے رہتا ہوں۔ اور اس کے خلاف جو کوئی بات کرنے گا تو میں اسے جان سے مار ڈالوں گا۔ "[۱۷]

کہانی کا اختتام اور کہانی کا آغاز ایک جیسا ہی تھا۔ اختتام میں وہ یہ جان چکا تھا کہ اگر اس نے کہانی کے شروع میں سچ کا ساتھ دیا تھا ایسا ساتھ ابھی بھی دیا اس کا انجام بھی وہی ہو گا جیسا کہ اس "انا پرست" "شریف القلب" آقا کا ہوا تھا جس کے پاس نہ کھانے کو کچھ تھا نہ رہنے کو چھت!

اس نے پادریوں کی عنایت کی ہوئی زندگی کی ضروریات کی تکمیل کے عوض اپنی عزت کا سودا کر دیا اور اپنی بیوی کو نیک پارسا مانتے ہوئے پادریوں کے سپرد کر دیا۔ شاہد اس ناول کا یہ ہی سچ اس پر حکومت کی طرف سے قدغن کا باعث بنا تھا۔ اس بات سے انکار نہیں کہ یہ ایک کلاسیک تحریر ہے۔ یہ علاقے کے مناظر، شہری زندگی، ضیافتیں، مذہبی اور زیر بحث آنے والے فکر معاش کے واقعات سب کی جزیات نگاری خوب ہے اور اس دور کے حالات و واقعات کو ناول کی صورت میں پیش کرنے میں بڑی حد تک کامیاب نظر آتی ہے۔ ناول میں لاثاریو کے کردار میں کوئی تبدیل واقع نہیں ہوتی۔ اس کے حالات بہتر ہونے میں اتفاق کا دخل دکھایا گیا ہے۔ مصنف نے اس نقطے کو اجاگر کیا ہے کہ ہیرو یعنی لاثاریو (پکارسو) کو خود کو بدلنے کا خیال کبھی نہیں آتا بلکہ اس کی کوشش اس نقطے پر

مرکوز ہے کہ کسی طرح معاشرے میں اسے کوئی مقام حاصل ہو جائے۔ حالات میں تھوڑی سی بہتری بھی اس کے لیے غنیمت ہے۔

اس طرح کے ناولوں میں مرکزی کردار کو چالاکی اور مکاری سے کام بناتے دکھایا گیا ہے۔ اور کہانی کا ہیرو بھی اپنی زندگی میں ایک چھوٹا سا عیار ہی ثابت ہوا مگر ایک حیثیت سے نقطہ جو واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے ارد گرد کے کردار وہوں یا پھر ہیرو خود سنگین جرائم قتل، زنا، ڈکیتی جیسے جرائم میں ملوث نہیں بلکہ وہ اپنی بقائی جنگ میں مصروف رہتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ انھیں کسی قسم کا کوئی تحفظ حاصل نہیں۔ ان کے پاس دو ہی راستے ہیں۔ یا تو وہ دھوکا دے سکتے ہیں یا پھر دھوکا کھا سکتے ہیں۔ اگر وہ کسی کو دھوکا نہیں دیں گے تو کوئی انھیں دھوکا دے جائے گا۔ چناں چہ خود کو بچانے کے لیے دھوکا دینا ضروری ہو گیا تھا۔ سلیم الرحمٰن اس ناول کے تاریخی پس منظر کے بارے میں کہتے ہیں:

> "جس زمانے میں یہ ناول لکھا گیا تھا اس زمانے میں دبستان نمار ومانوں کا بڑا چرچا تھا۔ ان رومانوں میں بے داغ شخصیتوں کے مالک بہادر، خیالی دنیاؤں میں محیر العقول کارنامے انجام دیتے نظر آتے تھے۔ پچاس سال بعد ہسپانیہ کے شہرہ آفاق ناول نگار "سیر وا نتیس" نے اپنی لازوال تخلیق "دون کی خوتے" میں انھیں رومانوں کا خاکہ اڑایا۔ جو قارئین اس قماش کے رومانوں پڑھ کر پلے بڑھے تھے۔ وہ بلاشبہ "لاثار لیو دے تور میس" کو پڑھ کر چونک اٹھے ہوں گے۔ عام زندگی کی حقیقت پسندانہ عکاسی پر انھیں خوشگوار حیرت ہوتی ہو تو عجیب نہیں۔ اس ناول نے پڑھنے والوں کو ایک بالکل نئے ذائقے سے آشنا کیا تھا۔ یہ اس ناول کی غیر معمولی مقبولیت کا سبب تھا۔"(۱۸)

حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ مصنف نے لکھا اس کی تصدیق تاریخ نے کی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہی تھی کہ امریکہ سے بڑی مقدار میں جو چاندی درآمد کی گئی تھی اس کی وجہ سے افراط زر ہوا ہو گیا تھا۔ اور معیشت میں بگاڑ کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ احدیوں اور یلانیوں کا بہت بڑا طبقہ وجود میں آنے لگا تھا جس کی سب سے بڑی خواہش یہ ہی تھی کہ کھانے پینے کو مہنگا اور محدود کر دیا جائے، اسی قحط کا ذکر ناول نے تیسرے باب میں ہے۔ جہاں اسے "انا پرست" آقا ملتا ہے۔ اس ناول میں "لاثار لیو دے تور میس" کی حیثیت ایک کشکول سے زیادہ نہ تھی لیکن اس میں بعض حصے سچائی کے ساتھ ساتھ مصنف کی ذاتی اختراع بھی ہیں۔ مثال کے طور پر تیسرے باب میں جہاں ہیرو ایک

جنازے کو دیکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ میت کو تابوت بردار اس ویران، افلاس زدہ گھر لے جا رہے ہیں جہاں وہ اپنے قلاش آقا کے ساتھ رہتا ہے اور وہ اس خیال سے بُری طرح سے خوف زدہ ہو جاتا ہے یہ کہانی برصغیر پاک و ہند میں بھی سننے میں آتی ہے۔ حالاں کہ وہ خوف زدہ نہیں بلکہ خوش ہوتا ہے کیوں کہ ایسے علاقوں میں کھانے کو جب بھی ملتا ہے جب کسی کی موت واقع ہوتی ہے غور کیا جائے تو برصغیر پاک و ہند میں بھی تو ایسا ہی رواج عام ہے۔ ناول سے ایک اقتباس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے۔

> "اور تدفین کی بات چلی ہے تو خدا کے آگے میری توبہ۔ اِن دنوں کے سوا میں نے کبھی بنی نوع انسان کا بُرا نہیں چاہا اور میری دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ غمی کی ضیافتوں پر ہم ڈٹ کر کھاتے اور میرا پیٹ کھا کھا کر نکارے کی طرح پھول جاتا۔ میں اسی امید پر جیتا تھا بلکہ خدا سے دعا کرتا تھا کہ روز کسی نہ کسی کو موت آئے۔"(۱۹)

اصل سوال یہ ہے کہ اس ناول کے اس کردار کو لاثار لیو دے تور میں "کو کیا سمجھا جائے۔ طربیہ یا طنزیہ ناول۔ یا پھر ایک اخلاقی قصہ سمجھا جائے۔ حقیقت میں یہ سب پہلو اس میں پائے جاتے ہیں جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں۔ جیسا کہ ناول میں واضح ہے کہ لاثار لیو" کی ساری کہانی چھوٹے چھوٹے قید خانوں میں بکھری پڑی ہے جو کچھ قیدی پر گزرتا ہو گا۔ وہی اس کردار پر بھی گزرا ہے۔ اتنی مشقت کے بعد بھی اسے کھانے کو نہیں ملتا اور جب کھانے کو ملتا ہے تو دوسری مشکل تیار ہوتی ہے یعنی ایک مشکل کے بعد دوسری مشکل اس کے لیے تیار کھڑی ہوتی ہے۔ ناول میں مصنف لاثار لیو دے کا قصہ ختم ہونے پر آتا ہے تو اسے معمولی سی آسودہ زندگی میسر آتی ہے لیکن اس زندگی کی آسودگی یا عزت تک پہنچتے یہ اپنے ضمیر سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ گویا مصنف نے اس نقطے کو اجاگر کیا کہ معاشرے میں کوئی مقام حاصل کرنے کے لیے ضمیر کا اور عزت کا سودا کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ کہانی میں طنز لطیف پیرائے میں کیا گیا ہے۔ کہانی کا ہیرو جن لوگوں کے پاس بھی گیا۔ ان کی تربیت اور عادات سے اس کو اخلاقی طور پر تباہ کر دیا اور یہ بات حقیقت سے الگ نہیں کہ یہ اخلاقی بگاڑ اس کی تربیت میں پہلے دن یعنی اس کے گھر سے ہی موجود تھا۔ اس کا باپ جو پن چکی کا نگران تھا۔ اناج چراتے پکڑا گیا تھا۔ ماں کے ایک حبشی غلام سے ناجائز تعلقات تھے۔ بڑا ہوا تو اندھے فقیر کے حوالے کر دیا گیا جو اسے چوری کرنے کے نئے نئے طریقے سکھاتا۔ غرض لاثار لیو کی زندگی میں شروع سے ہی نہ کوئی استحکام تھا اور نا ہی اخلاقی قدروں کی کوئی پاس داری۔ یہ بات ضرور ہے کہ کہانی میں ہیرو اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ معاشرے کی بناوٹی "اقدار" سے اسے اتفاق ہے اور وہ انھیں اقدار کی پیروی کرنا چاہتا ہے لیکن

یہ بھی ابہام ہے کہ ٹھوکریں کھانے کے بعد اُس کو اس بات کا احساس ہوا کہ کسی گھرے ہوئے معاشرے میں تھوڑی سی آسودگی حاصل کرنے کے لیے معاشرے کو برائیوں سے تباہ کرنا پڑتا ہے۔ خالص اخلاقی نقطہ نظر سے ہیرو کا رویہ خوش آئند یا قابل تقلید نہ سہی لیکن وہ کوئی ولی یا رہبر تو ہے نہیں کہ دوسروں کے لیے مثالی کردار بننے کی کوشش کرے۔ یہ بات الگ ہے کہ وہ قارئین کی ہمدردی حاصل کرنے میں کافی حد تک کامیاب رہا۔ اس کی مکاریوں پر ہنسی ضرور آتی ہے مگر یہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ آخر جس شخص کے پاس اپنے پیٹ کی بھوک مٹانے کو کچھ نہ ہو اور جس معاشرے میں وہ رہ رہا ہے وہاں بھی کوئی اس پر ترس نہ کھائے تو زندہ رہنے کے لیے وہ اپنی چالاکی اور مکاری سے خود کو کم سے کم زندگی کے عذاب سے بچا تو سکتا ہے لیکن افسوس ناک نقطہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے چنگل میں وہ پھنستا تھا وہ تو معاشرے میں عزت دار مقام پر فائز تھے۔ ان کی مکاریوں پر تو ہنسی بھی نہیں آتی۔

جہاں تک ناول کی نثر کا تعلق ہے تو یہ نہایت سلیس اسلوب میں لکھی گئی ہے کسی طرح کی عبارت آرائی یا رنگین بیانی نظر نہیں آتی۔ ایک بیانیہ انداز میں کہانی کو تحریر کیا گیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لکھنے والے کو اپنے مطلب کی ادئیگی پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔

چناں چہ مذکورہ ناول کلاسیک ادب کا ایک شاہکار ہے۔ ایک نیا نقطہ، اس تحریر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کلاسیک کا درجہ حاصل کرنے کے لیے کسی تحریر کا ضخیم ہونا ضروری نہیں "چلتا پرزہ" جیسا ناول جس کی ضخامت صرف ستر (۷۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ اپنے اندر ۱۶ویں صدی سے لے کر اکیسوی صدی تک کے معاشرتی حالات اور برایوں کو اجاگر کرتا ہے اور اس ناول کے کلاسیک ہونے کی ایک دلیل اس ناول کا مسلسل اشاعت میں رہنا بھی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ص ۱۵۴

۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، کلاسیک کی خصوصیات، www.donia.com//specialfeature ۸ ۸ ۹:۴۳ دسمبر ۲۰۱۹ء

۳۔ www.classicspainshlikratur.com

۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر تنقیدی اصطلاحات، توضیحی لغت، سنگِ میل پبلیشرز، ۲۰۱۱ء، ص ۲۵۲

۵۔ آل احمد سرور، تنقیدی اشارے، مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ، ۱۹۴۲ء، ص ۲

۶۔ ممتاز احمد خان، آزادی کے بعد از ناول، ہیئت، اسالیت اور رجحانات، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۸ء، ص ۵۳

۷۔ شیر از منظر، پاکستان میں ارو ادب کی صورتِ حال، یورپ اکیڈمی اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص ۱۸

۸۔ نام۔ت۔د، (ناول) مترجم سلیم الرحمٰن، القا پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۶ء ص ۴۷

۹۔ یاسر جواد، عالمی انسائیکلو پیڈیا، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۱۱۹۰

۱۰۔ سلیم الرحمٰن، چلتا پرزہ، القا پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۷۱

۱۱۔ محمد یحییٰ صبا، ڈاکٹر، اردو ناول کا ارتقاء، www.lib.bazmeurdu.net//urduNovel.10:32, Dec.8 2019

۱۲۔ سلیم الرحمٰن، چلتا پرزہ، القا پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۲

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۲

۱۴۔ ایضاً، ص ۴

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۶

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۷

۱۷۔ ایضاً، ص ۶۹-۷۰

۱۸۔ ایضاً، ص ۷۲

۱۹۔ ایضاً، ص ۴۸